

## اردو میں اسلوب اور اسلوبیات کی روایت

خادم حسین

پیکچر راءردو کورنمنٹ کالج حویلی لکھا، لوکاڑہ

### URDU LANGUAGE AND TRADITION OF STYLE AND STYLISTICS

Khadim Hussain

Lecturer in Urdu

Government College Haveli Lakha, Okara

#### Abstract

The more formal and established form of criticism in Urdu is study of style. On the contrary, stylistics is the modern way of criticism. Each piece of writing is immensely influenced by the socio-politic and religio-economic trends of its era and has critical peculiarities. The obvious questions which arise in study of stylistics are: when and where study of style and stylistics got inroads into Urdu literature? Is style and stylistics name of same approach of criticism or divergent in nature? Basically "style" is the way of presenting one's ideas whereas the stylistics is called the literary as well as linguistic analysis of the style. This article is the embodiment of the analytical exposition of the stylistic endeavours made by classical as well as modern linguistics of Urdu language.

**Keywords:** غالب، شبلی، عبادت بریلوی، سید عبداللہ، محی الدین قاری زور، کلیم الدین احمد،  
حاتم، نثار احمد فاروقی، شان الحق حقی، جابر علی سید

اردو کی ادبی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اردو زبان و ادب میں اسلوب کا مطالعہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ خود اردو ادب فرق صرف اس قدر ہے کہ اس دور کا انداز نقد دور جدید سے مماثلت کے باوجود مختلف ہے۔ بلاشبہ یہ ایک بڑی حقیقت ہے کہ ہر عہد میں تحقیق اور نقد و انتقاد کے زاویے مختلف رہے ہیں۔ جو باتیں ہمیں آج کل کے دور میں محض ناثر لائق اور غیر معروضی نظر آتی ہیں ممکن ہے کہ وہ اپنے عہد کی مستند حقیقتیں ہوں اور اس عہد میں ان تمام باتوں اور نظریات کو قابل قدر اور لائق تحسین تصور کیا جاتا ہو کیونکہ ہر عہد اپنا الگ تحقیقی اور انتقادی مذاق اور مزاج رکھتا ہے۔ کسی بھی عہد پر بات کرنے سے قبل اس عہد کے معروضی حالات اور ادبی تجزیات کو پیش نظر رکھنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ جہاں تک اردو ادبیات میں اسلوب، اسلوبیات کے چلن اور روایت کا تعلق ہے اس پر بات کرنے سے قبل ہمیں اردو ادب کی تاریخ کے تمام معروضی حالات اور تجزیات کو مد نظر رکھنا ہوگا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلوب اور اسلوبیات کا مطالعہ ہمارے ادب میں کب سے رونما ہوا؟ کیا اسلوب اور اسلوبیات ایک ہی طریقہ تنقید ہے؟ یا اسلوب اور اسلوبیات دو الگ الگ انداز نقد ہیں؟ اسلوب طرز نگارش یا انداز بیان کو کہتے ہیں اور اسلوبیات اسلوب کے لسانی اور ادبی تجزیہ کو کہتے ہیں جو خالصتاً توضیحی اور معروضی انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ اسلوب کی روایت قریب قریب ادب کی تاریخ اور تنقید کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اسلوب سے متعلق گفتگو قدیم بیاضوں، تذکروں، شعرا کے کلام کے مقدموں، قدیم و جدید ادبی تاریخوں، تنقیدی کتب، رسائل اور تنقیدی مضامین میں تو ہر سے ملتی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ بہت ابتدائی دور میں اس کا انداز زیادہ تر ناثر لائق اور موضوعی ہوتا تھا۔ شاید اس عہد میں یہی کافی سمجھا جاتا تھا یا پھر اس دور کے ناقدین کا مطالعہ اسلوب اور تنقید کے نقطہ نظر سے وسیع اور جامع نہ تھا اور اس کی بڑی وجہ ہمارے ناقدین کی یورپی ادب مثلاً فرانسیسی، جرمن، روسی اور انگریزی نقد و ادب سے بلا واسطہ یا بالواسطہ طور پر وابستگی نہ ہونے کے مترادف تھی۔ اس عہد کے ناقدین صرف زبان و بیان کی خوبی اور زیادہ تر شعری مضامین جو موضوعاتی نوعیت کے ہوتے تھے تک ہی محدود تھے۔ اس طرح کی تنقید میں استعمال ہونے والی اصطلاحات جمالیاتی سطح پر تو قدرے بہتر تھیں لیکن ان کا تنقیدی زاویہ نگاہ غیر سائنسی اور غیر معروضی تھا۔ اس انداز فکر سے نقصان یہ ہوا کہ ”ادب پارے“ پر تبصرہ

کرتے ہوئے صرف اس کے اچھے یا بُرے ہونے کا فیصلہ نہ دیا جاتا تھا اور یہ حکم لگایا جاتا تھا کہ فلاں اسلوب اچھا اور فلاں بر اسلوب ہے۔ کیا مطالعہ اسلوب کے لیے جو سائنسی فکر درکار تھی وہ نڈل سکی اور زیادہ تر ناقدین کا زوایہ نگاہ بالکل ناثراتی ہوتا تھا کہ ان کی تحریروں میں استدلال تو موجود تھا اور جن ناقدین کی تحریروں میں استدلال زیادہ اور ناثراتی انداز کم ہوتا تھا ان کی تحریروں میں زیادہ توجہ اور دلو و تحسین حاصل کرتی تھیں۔ اردو ادب میں اسلوب کے قدیم مطالعہ میں جن نامور ادبا کے نام لیے جاسکتے ہیں ان میں حاتم، میر، مصطفیٰ، انشا، غالب، مانج، موسن، شبلی، آزاد، حالی، سرسید، عبدالسلام ندوی، امیر بینائی، حسرت موہانی اور مولوی عبدالحق کی تحریروں میں شامل ہیں۔ ان نامور قدیم ادبا کے اسلوب پر تنقید اور تحقیق کرنے والوں میں مسعود حسن رضوی ادیب، احتشام حسین، عبدالقادر سروری، ڈاکٹر عبادت بریلوی، آل احمد سرور، سید عبداللہ، خواجہ احمد فاروقی، مجنوں کورکھ پوری اور کلیم الدین احمد وغیرہ شامل ہیں۔ ان ناقدین اور محققین نے اپنی بساط کے مطابق ان ادبا کے اسالیب پر آرا پیش کیے لیکن مطالعہ اسلوب کے ضمن میں مذکور ہوا تمام ناقدین کے اسلوب پر تجزیوں اور تنقیدی آرا سے یکسر مختلف ایک نام ڈاکٹر محی الدین قادری زور کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اردو زبان و ادب میں مطالعہ اسلوب کے ضمن میں مذکور ہوا انداز نقد اور اسلوب کے مطالعہ میں ایک الگ اور منفرد نام ملتا ہے۔ تاریخ ادب، تحقیق اور تنقید بلکہ لسانیات کے ابتدائی ماہر ڈاکٹر محی الدین قادری زور ہیں جنہوں نے اپنی تصنیف 'اردو کے اسالیب بیان' میں اسلوب کے مطالعہ کو قدیم اور روایتی انداز سے ہٹ کر پیش کیا ہے۔ ان کے انداز نقد کو روایتی انداز نقد اور جدید سائنسی انداز نقد کے درمیان تصور کیا جاسکتا ہے۔ ۱۹۴۷ء میں شائع ہونے والی اپنی کتاب میں انہوں نے پہلی بار اردو کے نثری اسالیب کو ادوار میں تقسیم کے ساتھ ساتھ ان کے فنی تجزیے بھی پیش کیے۔ اس کتاب کی اہم بات یہ تھی کہ محی الدین قادری زور نے اردو ادب کے انشا پردازوں اور انگریزی ادب کے انشا پردازوں کے اسالیب کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا اور مختلف ادبوں میں پروان چڑھنے والے مشترکات اور مماثلات کو بھی پیش کیا۔ ڈاکٹر زور نے ان دونوں میں ادبا کے تقابلی جائزوں کو ان کے اسلوب میں موجود مشترکات اور مماثلات کی بنا پر پیش کیا۔ انہوں نے عبدالکلیم شرر کو رچرڈسن (Richardson)، خواجہ حسن نظامی کو ایڈسن (Adison)،

مہدی انادی کورسکن (Ruskin) اور محمد حسین آزاد کو کارل (Carluet) کا درجہ دیا۔ محی الدین قادری زور اپنی تصنیف اُردو کے اسالیب بیان میں محمد حسین آزاد کی نثر اور اسلوب کے متعلق لکھتے ہیں:

”آزاد دنیا میں خوش کوئی کے لیے پیدا کیے گئے تھے وہ اگر کسی کی برائی بھی بیان کریں گے تو اس قدر حسن عقیدت اور شفقت سے بیان کریں گے کہ پڑھنے والا بجائے اس شخص سے متنفر ہونے کے اس کے ساتھ ہم دردی کرنے لگتا ہے۔ ان کی شخصیت انگلستان کے مشہور رمانس پرداز کارلائل کی طرح ان کے اسلوب بیان میں جاری اپنی جھلکیں دکھائی دیتی ہے تاہم ان کا اسلوب بیان زیادہ تر خیالی ہے، وہ ٹھوس باتیں بھی مزاحیہ اور رنگین جملوں میں بیان کرتے تھے۔“ (۱)

محی الدین قادری نے اس بیان میں محمد حسین آزاد کے اسلوب اور کارلائل کے اسلوب میں جو قدر مشترک پیش کی ہے وہ ان کا مزاحیہ انداز اور رنگین جملہ سازی ہے لیکن اس تقابل میں بھی ڈاکٹر زور کا انداز تاثراتی ہی ہے۔ آخر میں انھوں نے آزاد کے اسلوب کو ”خیالی اسلوب“ کے زمرے میں پیش کر کے بات مکمل کر دی ہے۔ اسی طرح وہ خواجہ حسن نظامی کے اسلوب کے متعلق لکھتے ہیں:

”لطیف چھوٹے چھوٹے جملے، عربی، فارسی اور ہندی کے دل چسپ اور رُترنم الفاظ کا انتخاب، سیدھی سادی مگر ساتھ ہی بے باکی عبارتوں میں بڑے بڑے مطالب حل کرنا، بے تکلفی اور بے ساختگی پن، یہ تمام چیزیں ان کے نام کو اس وقت تک زندہ رکھیں گی جب تک اُردو نثر باقی رہے گی۔“ (۲)

ڈاکٹر زور اپنا تاثر ابوالکلام آزاد کے اسلوب پر یوں پیش کرتے ہیں:

”ابوالکلام آزاد کے اسلوب میں عربی و فارسی لفظوں کی فراوانی بعض جگہ عیب نہیں محسوس ہوتی ہے۔ ان کی تحریر اور تقریر میں پہاڑی دریاؤں جیسی روانی ہے۔“ (۳)

محی الدین قادری زور کے اسلوب پر تجزیوں، تقابل اور تنقیدی آرا کے سامنے آنے کے بعد بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کا زاویہ فکر کتنا معروضی اور غیر معروضی ہے البتہ ان تجزیوں میں

اسلوب کی تہ تک پہنچنے کی کوشش ضرور ملتی ہے لیکن کوئی بھی تبصرہ اور تجزیہ سائنسی اور معروضی نہیں ہے البتہ تقابل کا ایک عنصر واضح ملتا ہے۔ ان تجزیوں، تبصروں اور اسالیب کے تقابل کی بنا پر ڈاکٹر زور نے اردو کے ان نامور دانش پروروں کے اسالیب نثر کو سات مختلف ناموں میں تقسیم کیا ہے۔ مرصع نگاری، سادہ نگاری، محاورہ بندی، انگریزیت، اہلالی اردو، ادب لطیف، مزاج نگاری اور گلابی اردو کے طور پر پیش کیا ہے۔ یہ نظر غائر دیکھا جائے تو زور نے اسلوب کے تشکیلی عناصر کی نشان دہی کر کے ان اسالیب کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ان کے اس کام کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اسلوب سے متعلق عملی تجزیے شروع ہوئے جو اس سے قبل بہت کم تھے۔ (۴)

زور کے اسلوب پر کام کے بہت عرصہ بعد تک اسلوب پر ہونے والا کوئی منفرد تنقیدی کام سامنے نہیں آیا۔ لیکن ان کے کام کے کوئی تیس سال بعد نثار احمد فاروقی اور سید عبداللہ کے اسلوب پر دو مضامین سامنے آتے ہیں جن میں اسلوب کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ نثار احمد فاروقی نے اپنی تصنیف ’دید و دریافت‘ میں ’اسلوب‘ کے عنوان سے مضمون تحریر کیا ہے جس میں اسلوب کیا ہے؟ اس کی ادبیات میں رائج مختلف تعریفوں اور اسلوب کے مادے پر بحث ملتی ہے نیز اسلوب کو مختلف زبانوں مثلاً عربی، فارسی، سنسکرت، ہندی، انگریزی اور اردو میں کس کس نام سے تحریر کیا گیا ہے اور اسلوب کی تشکیل میں کارفرما عناصر کا ذکر بھی ملتا ہے۔ انھوں نے اسلوب کو خیال اور الفاظ کے دو مختلف حصوں میں تقسیم کیا ہے اور خیال کو اختصار، سلاست، صفائی، سادگی، قوت، اظہار، قوت، ابلاغ، سنجیدگی، صوتی کیفیت، خوش آہنگی، اعتماد، انا، تشکیکی اسلوب کے عناصر کے طور پر بیان کیا ہے۔ الفاظ کے ذیلی عناصر میں خطابت، زور بیاں، موسیقیت، ترصیح، ترکیب، کنایہ، استعارہ، تشبیہ و تمثیل، مبالغہ، وزن، ہم نواج حرف اور آہنگ و صوت کو بیان کیا گیا ہے اور اسلوب کے ان بنیادی اور ذیلی عناصر کی روشنی میں اس کی سائنسی اور معروضی انداز میں تقسیم پر زور دیا ہے نیز شعری اور نثری اسالیب کے عملی تجزیے اور مثالیں پیش کی ہیں۔ دید و دریافت میں نثار احمد فاروقی، مولانا ظفر علی خاں کے ایک شعر پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

”ہو کا عالم تھا وہاں، کرتا تھا جنگل بھائیں  
سنسنی اٹھتی تھی سنسنی سنسنی کر ہوا کی سائیں سائیں

یہ شعر جس میں جنگل کے سنسان ہونے کا نقشہ ایسے مناسب لفظوں میں کھینچا گیا ہے کہ شاید اس سے بہتر پیرایہ ممکن نہ ہو۔ مزید آگے لکھتے ہیں:

اس میں ”ہو“ ”بھائیں بھائیں“ ”سنسنی“ ”سنسن سن کر“ ”اور“ ”سائیں، سائیں“ یہ سب الفاظ بھرپور صوتی کیفیت رکھتے ہیں یا مثنوی شعر البیان کا یہ شعر:

چلی واں سے دامن اٹھاتی ہوئی  
 کڑے کو کڑے سے بجاتی ہوئی

الفاظ کے انتخاب میں ان کی صوتی کیفیت، تازگی اور معنی بندی سب سے قابل لحاظ ہیں۔“ (۵)

نثار احمد فاروقی سائنسی اور معروضی انداز میں اسلوب کے مطالعہ کے علم بردار ہیں اور انھوں نے اسلوب کے صوتی پہلو کو خالص سائناتی اور اسلوبیاتی انداز میں پیش کیا ہے۔ آگے چل کر وہ میر اور غالب کے شعروں میں تصویریت اور انتخاب الفاظ پر تبصرہ کرتے ہیں اور ان کی عملی مثالیں بھی پیش کرتے ہیں۔ میر کے کلام میں ابلاغ کمال درجے کا ہے اور غالب کی شاعری میں فکر و تعق بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ نثار فاروقی تصویریت اور صوتی آہنگ کے لیے شعری مثال پیش کرتے ہیں:

”کھا کھا کے اوس اور بھی سبز ہوا

تھا موتیوں سے دامن صحرا بھرا ہوا

اس شعر میں لفظ ”اوس“ آیا ہے اور یہی بر محل ہے۔ اب اگر ”شبم“ وزن میں کھا

بھی دیا جائے تو شعر کا سار اللفظ مٹلی میں مل جائے گا لیکن دوسری جگہ:

شبم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے

”شبم“ اور ”کٹورے“ پر غور کیجئے ان سے زیادہ مناسب الفاظ یہاں نہیں آ سکتے

جو بھرپور صوتی آہنگ اور ”تصویریت“ کے ساتھ جمالیاتی پہلو بھی رکھتے ہوں۔

”کٹورے“ کی جگہ ”یالے“ پڑھے اور دیکھیے مصرع کتنا پیکا ہو جاتا ہے۔“ (۶)

نثار احمد فاروقی نے ان شعری مثالوں کے ساتھ ساتھ اسلوب کے عناصر تفصیلی کی عملی

وضاحت بھی کی ہے اور نثر کی مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ مرصع نگاری اور لفظوں کی بھرمار والے اسلوب کا موازنہ انھوں نے سادہ اور سلاست والے اسلوب سے کیا ہے۔ اس تقابلی جائزے میں وہ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولوی عبدالحق کے نثری اسلوب کے نمونے پیش کرتے ہیں جو نثری اسلوب پر ان کا منفرد تجزیہ ہے۔ ابوالکلام آزاد کی کتاب ”تذکرہ“ کے آخری باب میں سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں:

”وہ ذلت کا زخم نہ تھا بلکہ نامرادی کا زخم لگانے والا ہاتھ تھا۔ وہ مظلومی کی تڑپ نہ تھی بلکہ ظلم کو تڑپانے والی شمشیر تھی، وہ مسکینی کی بے قراری نہ تھی بلکہ دنیا کو بے قرار کرنے والوں نے اس سے بے قراری پائی وہ درد و کرب کی کروٹ نہ تھی بلکہ درد و کرب میں جٹا کرنے والوں کو اس سے بے چینی کا بستر ملا۔“ (۷)

نثار فاروقی مولوی عبدالحق کی عبارت کو نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں:

”وہ حساب کے کھرے، بات کے کھرے اور دل کے کھرے تھے وہ مہر و وفا کے پتلے اور زندہ دلی کی تصویر تھے۔ ایسے نیک نفس، ہمدرد، مرنج و مرنجاں اور وضع دار لوگ کہاں ہوتے ہیں۔ ان کے بڑھاپے پر جوانوں کو رشک آتا تھا اور ان کی مستعدی دیکھ کر دل میں اُمنگ پیدا ہوتی تھی ان کی زندگی بے لوٹ تھی اور ان کی زندگی کا ہر لمحہ کسی نہ کسی کام میں صرف ہوتا تھا۔“ (۸)

ابوالکلام آزاد اور مولوی عبدالحق کی کتابوں میں سے اقتباسات پیش کرنے کے بعد

نثار فاروقی ان کا تقابلی اس انداز میں پیش کرتے ہیں:

”ان دونوں عبارتوں میں جو اوپر نقل کی گئیں ”لشائل“ موجود ہے مگر فرق یہی ہے کہ پہلی عبارت میں الفاظ زیادہ ہیں مضمون کم ہے اور دوسری میں مفہوم زیادہ الفاظ کم پہلی عبارت خوب صورت ہے، مگر دوسری سائیکھی تک ہے۔“ (۹)

نثار فاروقی کے اس تقابلی مطالعہ سے بھی تاثراتی تنقید کا تاثر سامنے آتا ہے اور کہیں کہیں عملی

تنقید کے نمونے بھی۔ شاعری کی مثالوں میں صوتی آہنگ، صوتی تجزیہ ان کے اسلوبیاتی ویژن کا عکاس ہے۔ اسلوب کی تعریف اور اس کے عناصر کی تشکیل کے حوالے سے سید عبداللہ نے اپنی کتاب



’اشارات تنقید میں اسلوب کے معنی اور مفہوم کو واضح کیا ہے اور وضاحت کے لیے مختلف مغربی ماہرین کی تعریفیں بھی پیش کی ہیں۔ ان کے ہاں نثری اسلوب اور شعری اسلوب کے مباحث تو موجود ہیں مگر کوئی ٹھوس تجزیہ سامنے نہیں آتا ہے۔ وہ اپنی کتاب ’طیف نثر‘ میں بھی نثری اسلوب اور اسلوب بیان کے ضمن میں مصنف کی شخصیت کو اسلوب کا عکس اور نقش قرار دیتے ہیں اور ان کا یہ انداز خالصتاً ناثراتی اور قدیم تنقید کا حامل ہے۔ سید عبداللہ اسلوب کے عملی تجزیے کے لیے اپنی کتاب ’نئے اور پرانے (خشن و ر)‘ کے حصہ دوم میں مختلف شعرا کے اسلوب پر بات کرتے ہیں تو وہاں پر ان کا انداز بھی ناثراتی ہی ہے۔ محی الدین قادری زور اور کسی حد تک ثار احمد فاروقی کے مضمون ’اسلوب‘ میں اسلوب کے تجزیاتی اور لسانی پہلوؤں کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر زور اور ثار فاروقی کے بعد اردو ادب میں اسلوب کی روایت میں سید عابد علی عابد کی کتاب ’اسلوب‘ ایک اہم سنگ میل ثابت ہوتی ہے۔ یہ کتاب ان کی وفات کے بعد باقیات عابد میں سے نکال کر پہلی بار ۱۹۷۷ء میں مجلس ترقی ادب لاہور نے شائع کی۔ یہ کتاب اسلوب اور اس کے تشکیلی عناصر نیز شاعروں اور نثر نگاروں کے طرزِ ادب پر مشتمل تجزیوں سے مزین ہے۔ اس کتاب کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ پروفیسر حمید احمد خاں کی اس رائے سے لگایا جا سکتا ہے:

”مرحوم نے ۲ نومبر ۱۹۷۰ء کو ایک ذاتی رقعے میں اپنے اس تنقیدی کارنامے پر جو رائے ظاہر کی تھی وہ اس قابل ہے کہ یہاں نقل کی جائے۔ انھوں نے فرمایا:

”یہ تصنیف میری زندگی کے تجربات اور مطالعات کا نچوڑ ہے اور غالباً حاصل حیات ہے۔“ (۱۰)

مذکور بالا الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ مصنف نے اس کتاب کو لکھنے میں کتنی محنت سے کام لیا ہوگا اور نہ جانے وہ اس کتاب میں اور کیا کیا تبدیلیاں یا نئے نئے موضوعات پیش کرنا چاہتے ہوں گے مگر زندگی نے وقاعدہ کی۔ یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ انھوں نے اپنے اس کام کو بہت زیادہ اہمیت دی تھی۔ پروفیسر حمید احمد خاں اس کتاب کو عملی تنقید پر ایک منفرد کتاب کے طور پر پیش کرتے ہوئے اس



کے دیباچے میں یوں رقم طراز ہیں:

”عابد علی عابد مرحوم کی زیر نظر تصنیف ہمارے اپنے شعرا کا کلام تنقید جدید اور فلسفہ معشری کی ترجمانی اور توثیق کرتا نظر آتا ہے۔ اس طرح معنی کے ہمہ گیر ذوق کی جودت و طراوت نے اس کتاب کو ادب کے طالب علم کے لیے عملی تنقید کے دائمی لطف کا سرچشمہ بنا دیا ہے۔“ (۱۱)

پروفیسر حمید احمد خاں کی بیان کردہ اس رائے سے واضح ہوتا ہے کہ اس دور میں نقد و ادب کے سنجیدہ حلقوں میں تنقید جدید اور عملی تنقید کا رواج پروان چڑھنا شروع ہو چکا تھا۔ عابد علی عابد پر حمید احمد خاں کی رائے کے بعد دیکھتے ہیں کہ کیا واقعی عابد علی عابد نے اپنی تصنیف ’اسلوب‘ کو حاصل حیات سمجھ کر لکھا تھا؟ زیر نظر کتاب کل دس باب پر مشتمل ہے باب اول میں فن اور فنون لطیفہ پر مشرقی، مغربی ماہرین اور اساتذہ کی آرا کو پیش کیا گیا ہے اور ان آرا کی روشنی میں تفصیل سے فن اور فنون کے فرق کو واضح کیا ہے۔ دوسرے باب میں کروچے کے ”نظریہ اظہار“ کو مشرق و مغرب کے زاویہ فکر کے حوالے سے پیش کیا ہے اور میاں شریف کی تصنیف ’جمالیات کے تین نظریے‘ میں ان کی طرف سے بیان کیے اعتراضات کے جوابات بھی پیش کیے گئے ہیں۔ تیسرا باب، ’فن کا منصب اور غایت‘ کے عنوان سے ہے جس میں ارسطو سے لے کر موجودہ عہد تک تمام نظریات مشرق و مغرب کو معتبر انداز میں بیان کیا ہے۔ چوتھا باب ’اسلوب‘ کے عنوان سے ہے اس باب میں اسلوب کے مختلف معانی، مفہوم، اعتقادی زبان اور اسلوب پر دیگر ماہرین نقد و ادب کے نظریات کو پیش کیا ہے۔ باب پنجم میں اسلوب اور شخصیت پر بحث کی ہے اور مختلف شعرا کے کلام اور نثر کے اقتباسات کی روشنی میں فن اور فن کار کے درمیان شخصی عنصر کی وضاحت کی ہے۔ باب ششم میں اسلوب اور ہیئت کو مہر مست رکھا گیا ہے۔ الفاظ اور معانی کے رشتے اور شعر کیا ہے؟ اس کو مرآۃ الشعر کے حوالے سے بیان کیا ہے نیز اس باب میں مترادفات اور مرادفات، جدت ادا اور حسن لہجہ کا بیان بھی کیا ہے۔ باب ہفتم میں اسلوب کی فکری صفات کو بیان کیا ہے اور ان میں سادگی، قطعیت، اختلال حواس اور اختصار کو شامل کیا ہے۔ باب ہشتم ’اسلوب کی جذباتی صفات‘ پر مشتمل ہے۔ اسلوب کی جذباتی صفات میں زور بیان، گداز، مزاح

اور بذلہ سنجی کو مختلف شعرا کے کلام اور کہیں کہیں نثری اسلوب کے حوالے سے ان کے تجزیے پیش کیے ہیں۔ باب نہم اسلوب کی تجلی صفات کو اس طرح پیش کرتا ہے جس میں تحسین، شاعری اور عرفان فریب چشم ساقی، شاعری اور جنون، تجلی، مجاز، تشبیہ، استعارہ، نثر اور استعارہ، خیال فردزی اور تصویریت کو شامل کیا ہے۔ گاہے گاہے مختلف شاعروں کے اشعار کو بطور نمونہ پیش کر کے ان کا تجزیہ بھی کیا ہے۔ باب دہم میں اسلوب کی جمالیاتی صفات کو لکھا ہے جن میں ترنم، اضافت اور نغمہ کو اپنی بحث کا محور رکھا ہے۔

زیر نظر تصنیف کی ابواب بندی فہرست اور اسلوب کے موضوعات کو مرحلہ وار بیان کرنا اس بات کا غماز ہے کہ سید عابد علی عابد نے کس قدر محنت، کاوش اور تن دہی سے اس کام کو انجام دیا ہے۔ انہوں نے اس کتاب کو بہت بلیغ انداز میں تصنیف کیا ہے۔ اگرچہ سید عابد علی عابد مشرقی شعریات اور مشرقی اصول نقد و انتقاد کے نہ صرف حامی تھے بلکہ اس کے ماہر بھی تھے لیکن اس کتاب میں انہوں نے مشرق و مغرب کے تفاوت کو ختم کرتے ہوئے علمی اور فکری زاویے کو مثبت انداز میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے مشرق و مغرب کے تمام مباحثہ جدید کو اس کتاب میں بہت واضح اور جین انداز میں پیش کیا ہے اور مختلف حوالوں اور آراء اسلوب کے تصور کو نہ صرف واضح کیا بلکہ اس کے عملی تجزیے بھی پیش کیے ہیں جس طرح اردو ادب میں اسلوب کی روایت میں زور کی تصنیف اردو کے اسالیب بیان میں خشک اول کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی طرح سید عابد علی عابد کی تصنیف اسلوب اپنے موضوع پر مدلل اور اسلوب میں شعر و ادب کے عملی تجزیوں سے مزین ہے۔

اردو زبان و ادب میں قدیم لسانیات، زبان کی ماہیت اور زبان کے مختلف گروہوں کے نام، الفاظ کی بناوٹ، مفرد اور مرکب ترکیب، مفرد اور مرکب اصطلاحات پر مباحثہ ملتے ہیں نیز زبان اور اس کے الفاظ میں گاہے بگاڑ ہونے والی تبدیلیوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اس طرح کے موضوعات پر قدیم ماہرین لسانیات کی نہ صرف قابل قدر رہنمائی سامنے آتی ہے بلکہ ان کے کام بھی لائق تحسین ہیں ان ماہرین لسانیات میں ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ڈاکٹر شوکت سہروردی، ڈاکٹر گیان چند جین، ڈاکٹر مسعود حسین بابائے اردو مولوی عبدالحق، شان الحق حقی، ڈاکٹر عبدالسلام، جاوید علی سید، سید قدرت نقوی،

سہیل بخاری اور وارث سرہندی شامل ہیں۔ ان سب کے ہاں زبان کے ارتقا اور اس کی تاریخ پر مشتمل موضوعات ملتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے ہاں زبان اور مختلف بولیوں میں ہونے والی تبدیلیاں خالص سائنسی پہلو کی صورت میں دیکھی جاسکتی ہیں اور ان موضوعات پر ان کی کتب اور مضامین دستیاب ہیں۔ جدید سائنیات اور اس کے مختلف ذیلی شعبوں میں خصوصاً اسلوبیات کے مطالعے اور تجزیے کا ذکر آتا ہے جو ادب کے سائنسی اور ادبی پہلوؤں کو مد نظر رکھ کر معروضی اور سائنسی انداز میں پیش کیا گیا ہے مگر ان ماہرین کے ہاں جدید سائنسی تجزیات پر کوئی خاطر خواہ کام نظر نہیں آتا۔ جدید سائنیات اور اسلوبیات کو قدرے سرپرستی کی ضرورت ہے اگر ایسا ہو جائے تو یہ تنقیدی رجحان بھی دوسرے ادبی اور تنقیدی رجحانات کی طرح ضرور نمود پائے گا۔

اسلوبیات اسلوب کے مطالعہ جدید سے عبارت ہے۔ جدید سائنیات اور اسلوبیات کی روایت میں سب سے اہم نام پروفیسر مسعود حسین خاں کا ہے۔ انھوں نے اپنے مضامین میں شعری اسلوب کے صوتی پہلوؤں کو موضوع بحث بنایا ہے۔ ان کے مضامین میں کلام غالب کے قولی و ردیف کا صوتی آہنگ، غالب کے خطوط کی سائنسی اہمیت اور مطالعہ شعر شامل ہیں۔ ان مضامین میں صوتیاتی تجزیے پیش کیے گئے ہیں۔ ان کے یہ مضامین کسی قدر جدید سائنیات اور اسلوبیات کے سائنسی اور معروضی انداز نقد کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ مسعود حسین خاں نے اسلوبیات پر کوئی باقاعدہ کتاب تو نہیں لکھی ہے البتہ امریکہ میں اپنے قیام کے دوران انھوں نے بہت سی کتابیں پڑھیں اور ان کتابوں میں ادبیات، نفسیات اور جدید سائنیات کی کتابیں بھی شامل تھیں۔ ان کتب سے انھوں نے کس قدر استفادہ کیا اس بارے میں خود لکھتے ہیں کہ ”اس زمانے میں میرے سرسود اسمایا ہوا تھا کہ زبان کے کما زک ترین استعمال یعنی شاعرانہ استعمال کی عمدہ تک پہنچ سکوں۔ سائنیات کا مطالعہ لب میرے لیے نایابی ہو گیا تھا۔ جب ادبی خادوں کی لفاظی سے گھبرا جاتا تو پھر سائنیات میں غوطہ زن ہوتا۔ قدما کے علمی و بدعت کے بارے میں مشاہدات اور فرمودات کو سائنسی علم کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کرتا۔ اس میں چامسکی کے نظریے سے بہت مدد ملتی۔ اس لیے کہ اس نے علم لسان کی آنکھیں باہر کے بجائے اندر

جانب کرد تھیں۔ اب معنی اس قدر بے معنی نہیں تھا جس قدر کہ بلوم فیلڈ یوں نے سمجھ رکھا تھا لیکن اس کے لیے نفسیاتی لسانیات پر کام کرنے کی ضرورت تھی۔“ (۱۲)

پروفیسر مسعود حسین خاں کے اس بیان کی روشنی میں بہ خوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ بلوم فیلڈ کے لسانی نظریہ سے متاثر ہوئے تھے اور چامسکی کا نظریہ لسان ان کے لیے پسندیدہ تھا۔ مسعود حسین خاں نے زیادہ تر چامسکی کے نظریہ سے ہی استفادہ کیا ہے اور ادب کے لسانیاتی مطالعہ شعروادب پر، لسانیات کے باقاعدہ اطلاق کو ’اسلوبیات‘ کا نام دیا ہے۔ عملی تنقید اور جدید تنقید کے زاویہ فکر کی طرح مسعود حسین خاں بھی مصنف کے بجائے متن کی اہمیت کے حامی ہیں۔ اس ضمن میں ان کا قول نقل کرتے ہیں:

”لسانیاتی مطالعہ شعر میں نہ تو فن کار کا ماحول اہم ہوتا ہے اور نہ خود اس کی ذات، اہمیت دراصل ہوتی ہے اس فن پارے کی جس کی راہ سے ہم اس کے خالق کی ذات اور ماحول دونوں میں داخل ہوتا چاہتے ہیں۔“ (۱۳)

اُردو لسانیات میں ’اسلوبیات‘ کے ماہر، نقاد اور محقق ڈاکٹر نصیر احمد خان اپنی تصنیف ’ادبی اسلوبیات‘ میں ڈاکٹر مسعود حسین خاں کے صوتی تجزیوں میں نغمہ پر اپنی رائے اس انداز میں پیش کرتے ہیں:

”اُردو کی آوازوں کے صوتی مزاج کو سمجھنے بغیر انھوں نے شعروں میں ان کے کرداروں سے بحث کی ہے۔ شعروں زبان کے صفحہ میں پر اُردو کے حروف صحیح کے صوتی نظام کا جدول جو دیا ہے وہ بھی اُدھورا اور غیر سائنسی فک ہے۔“ (۱۴)

سماجی علوم اور ادبیات میں کسی بھی مصنف کی رائے کو حتمی اور قطعی تصور نہیں کیا جاتا ہے۔ اس میں اختلاف کی گنجائش موجود رہتی ہے لیکن اسلوبیات کے لسانی اور صوتی پہلو کے ضمن میں مسعود حسین خاں کو جوازیت حاصل ہے وہ تو بہر حال قائم رہے گی البتہ علمی اور فکری مباحث میں اختلاف رائے اور غلطی کی نشاندہی کو سراہا جانا چاہیے۔ ’اسلوبیات‘ کی اس روایت میں مسعود حسین خاں کے بعد ان کے شاگرد پروفیسر مفتی مجسم کا ذکر آتا ہے۔ انھوں نے اپنے مقالے ’قالبی بدایونی۔ حیات، شخصیت اور شاعری‘ کے تحت حروف باب میں قالبی بدایونی کے شعری اسلوب اور صوتی حسن کو شناخت کر کے معروضی انداز میں پیش کیا ہے۔

علاوہ انہیں غالب کی شاعری پر ان کے مضامین دیکھنے کے لائق ہیں۔ ان مضامین میں سے غالب کی شاعری باز پچھ اصولت اور اصوات اور شاعری ایک لحاظ سے قابل ذکر مضامین ہیں۔ اردو زبان و ادب میں اسلوبیات کی روایت میں ایک اہم نام ڈاکٹر کوپنی چندا رنگ ہے۔ ان کا میدان نقد تو ادبی اور لسانی دونوں پہلوؤں پر محیط ہے بلکہ اس طرح کہا مناسب ہوگا کہ ان کی تنقیدی بصیرت، ادبی تنقید اور اسلوبیاتی تنقید کا حسین امتزاج ہے۔ انھیں ادبی اور اسلوبیاتی انداز نقد میں مہارت خاص ہے۔ انھوں نے اسلوبیات کے مطالعہ میں جن ادیبوں اور شاعروں کے اسلوبیاتی تجزیے بطور خاص پیش کیے ہیں ان میں راجندر سنگھ بیدی کے فن کی استعاراتی اور اساطیری جڑیں، انتظار حسین کا فن، اقبال کی شاعری کا صوتیاتی نظام، اسلوبیات اقبال (نظر یہ اسمیت اور فعلیت کی روشنی میں)، اسلوبیات میر، فیض کا معنیاتی نظام، اسلوبیات انیس اور جوش کی شاعری کا اسلوبیاتی تجزیہ شامل ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی اہم تصانیف میں 'اسلوبیات میر' اور 'ادبی تنقید اور اسلوبیات' قابل ذکر ہیں۔ موخر الذکر کتاب میں انھوں نے اسلوبیات کے بنیادی مباحث کے علاوہ اسلوبیاتی تجزیوں کو پیش کیا ہے اور اسلوبیات میں اسلوبیاتی تجزیے کو صوتی، نحوی، معنیاتی، عروضی اور بیحت کی شکل میں پیش کرنے کی تجویز دی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ یہ مطالعہ فقرہ کی طور پر ایک سطح کو لے کر اور کلی طور پر تمام سطحوں کو لے کر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اسلوب اور اسلوبیات کے متعلق لسانی اور ادبی تجزیوں میں کوپنی چندا رنگ کو منفرد حیثیت حاصل ہے۔

اسلوب کے سائنسی مطالعے کے حوالے سے ڈاکٹر محمد حسن کا نام بھی لیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے ادبی تنقید اور اسلوبیات دونوں کی مدد سے اسلوب کی پہچان کرائی ہے۔ وہ اپنے مضمون 'غالب کا شعری آہنگ' میں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ غالب کے اسلوب کی پہچان تضاد استہلالی میں پوشیدہ ہے۔ انھوں نے انداز بیان کی تمام تر ایکب، تشبیہ اور استعارہ کو تضاد کے زمرے میں رکھا ہے۔ ان کا دوسرا اہم مضمون 'غالب کا اثری آہنگ' ہے۔ اس میں انھوں نے غالب کے چھوٹے چھوٹے جملوں اور ان جملوں کی قافیہ بندی کے ابھرتے آہنگ میں غالب کے اسلوب کی خصوصیات کو تلاش کیا ہے۔

اسلوب، اسلوبیاتی تجزیے اور لسانی شعور سے متعلق ایک معتبر نام شمس الرحمن فاروقی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ وہ متن میں اسلوبیاتی خصائص تلاش کرنے اور ان کو نشان زد کرنے کے اصولوں سے بہ خوبی آگاہ ہیں۔ ان کی تحریریں 'شعر شور انگیز'، 'شعر، غیر شعر اور نثر' کی شکل میں ہوں یا 'مطالعہ' اسلوب کا ایک سبق تو وہ اسلوبیاتی جائزوں اور لسانی تجزیوں سے ہم آہنگ دکھائی دیتی ہیں۔ اسلوب، اسلوبیات اور لسانی تجزیوں کے زمرے میں ڈاکٹر نصیر احمد خاں ایک قابل ذکر نام ہے۔ اسلوبیات پر ان کی کتاب 'لوبی اسلوبیات' ہے۔ اس میں ماسور منشا پر دازوں کے اسالیب بیان پر تجزیے شامل ہیں جو خاص اہمیت اور افادیت کے حامل ہیں۔ کتاب کے دیباچہ میں اسلوب، اسلوبیات اور اسلوبیاتی مطالعہ کو بڑے اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ لسانیات کے سلسلے میں انھوں نے ڈیوڈ کرٹل (David Crystal) کی کتاب 'لسانیات کیا ہے؟' (What is Linguistics) کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ جو ان کی لسانیات تجدید سے نظری، فکری اور عملی وابستگی کا ثبوت ہے۔

اردو میں اسلوبیات کی روایت میں ایک اور نام علی رفادین کی صورت میں آتا ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب اسلوبیاتی تنقید اور مسجد قرطبہ علامہ اقبال کی نظم کا اسلوبیاتی تجزیہ پیش کیا ہے۔ ان کے ہاں نظری اور عملی تنقید دونوں کی صورت نظر آتی ہے۔ اسلوب اور اسلوبیات کی روایت میں طارق سعید کا نام بھی آتا ہے۔ ان کی کتاب 'اسلوب اور اسلوبیات' کے عنوان سے منظر عام پر آئی ہے۔ علاوہ ازیں وہ اسلوبیات و اقبال اور اسلوبیاتی تنقید، تناظر، وجہی سے قرۃ العین حیدر تک کے عنوان سے کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ ان کا انداز زیادہ تر تاثراتی ہے اور محی الدین قادری زور سے ملتے جلتے ان کے تاثرات ہیں اور ان کی رائے پر دافسر عبدالمعنی کی رائے کے قریب قریب ہے۔ جہاں تک ان کی تصنیف 'اسلوب اور اسلوبیات' کا تعلق ہے تو اس کتاب کو بچپن بولب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ کتاب نظری تنقید پر مشتمل ہے۔ باب نمبر ۹ میں اسلوب کیا ہے اور باب ۱۰ اسلوب کی تشکیل اور اس کی صفات کو بیان کرتا ہے۔ ان بواب میں اسلوب اور اس کے تشکیلی عناصر کو نظری انداز میں بیان کیا ہے نیز مشرق و مغرب کے ماہرین کی آرا اور نظریات کو بھی پیش کیا ہے۔ باب نمبر ۱۱ میں اسلوب اور علم لسانیات کے دائرہ کار اور باب

نمبر ۱۸ میں اسلوب اور اس کے دائرہ عمل کو پیش کیا ہے۔ مختلف ماہرین مغرب کے لسانی نظریات کو غیر واضح انداز میں پیش کیا ہے۔ اسلوب اور اس کے دائرہ عمل کو اسلوبیات کے دوسرے شعبوں سے تعلق کو ادبیات، لسانیات، جمالیات، نفسیات، فلسفہ اور سماجیات کی صورت میں درج کیا ہے لیکن ان میں استخراج کو اسلوبیات کے ساتھ بیان نہیں کیا ہے۔ اس لیے یہ مبہم اور غیر واضح انداز نقد ہے جس سے کوئی مطلب واضح نہیں ہو پاتا۔ پوری کتاب میں اسلوب، اسلوبیات اور اسلوبیاتی تنقید سے متعلق طارق سعید معلومات تو فراہم کرتے ہیں لیکن ان معلومات کی روشنی میں کوئی پختہ سوچ اور زاویہ فکر سامنے نہیں آتا ہے البتہ اتنا فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ یہ کتاب اسلوبیاتی تنقید کی ابتدائی معلومات ضرور فراہم کرتی ہے۔ یہ بات بہت واضح ہے کہ طارق سعید کا انداز نقد معروضی سائنسی اور توضیحی نہیں بلکہ تاثراتی اور قدیم ہے۔

اسلوبیات کی روایت میں ایک اہم نام مرزا ظیل احمد بیک کا ہے۔ انھوں نے اپنی تصنیف 'زبان، اسلوب اور اسلوبیات' میں اسلوب اور اسلوبیات پر نظری اور عملی دونوں پہلوؤں پر بحث کی ہے۔ مرزا ظیل بیک، مسعود حسین خاں، پروفیسر مغنی تبسم اور کوہی چند نارنگ سے متاثر دکھائی دیتے ہیں لیکن ان کے تجزیے خالصتاً ان کی ذہانت اور فطانت کی واضح دلیل ہیں۔ ظیل بیک کی ایک بہت اہم تصنیف 'تنقید اور اسلوبیاتی تنقید' کے نام سے ۲۰۰۵ء میں شائع ہوئی۔ کتاب چار حصوں میں منقسم ہے۔ اول اسلوبیاتی تنقید: جس میں نظری مباحث غالب ہیں جیسے اسلوبیاتی تنقید کیا ہے؟ اس کا پس منظر اور تنقید کے منظر نامے کو سامنے رکھتے ہوئے اسلوبیات کی وضاحت پیش کی گئی ہے۔ باب دوم اسلوبیاتی نظریہ سازوں کے نام سے ہے اور اس میں مغربی نظریہ ساز اور مشرقی نظریہ ساز ماہرین لسانیات اور اسلوبیات سے متعلق نظریات کو بالخصوص پیش کیا گیا ہے۔ تیسرا باب عملی مباحث پر مشتمل ہے جس میں مختلف ادیبوں کے کام کے اسلوبیاتی تجزیے پیش کیے ہیں۔ ہواکلام کی نثر، نیدر فچ پوری کا لسانی مزاج اور تھکیل اسلوب، رشید احمد صدیقی کا طنزیہ و مزاحیہ اسلوب، بیدی کی زبان، ذاکر حسین زبان اور اسلوب، اکبر الہ آبادی اور لغات مغربی اور دکنی ادب کے اسلوب پر تجزیے ملتے ہیں۔



یہ مختلف النوع تجزیے ان کے لسانی اور اسلوبیاتی ذوق کے عکاس ہیں اور آخری باب میں انھوں نے ادب اور لسانیات کے تجزیہ اور کلامیہ (Discourse) کے مسائل و مباحث پر تنقیدی، تحقیقی اور علمی گفتگو کی ہے۔

اسلوبیات پر درج بالا بحث کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ مسعود حسین خاں، پروفیسر مفتی تبسم، ڈاکٹر نصیر احمد خان، ڈاکٹر کوئی چندنا رنگ اور مرزا خلیل بیگ وغیرہ نے نہ صرف نظریات کو پیش کیا ہے بلکہ اردو ادب میں اسلوبیات کی روایت کو عہد جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہ بھی تو قریب ضرور کر دیا ہے۔

☆☆☆☆

#### حوالہ جات

- (۱) نجی الدین قادری، زور، اردو کے اسالیب بیان (لاہور مکتبہ مبین، 1966ء)، ص ۲۲-۲۳
- (۲) نجی الدین قادری، زور، اردو کے اسالیب بیان، ص ۵۹
- (۳) نجی الدین قادری، زور، اردو کے اسالیب بیان، ص ۶۷
- (۴) نجی الدین قادری، زور، اردو کے اسالیب بیان، ص ۸۲-۱۰۷
- (۵) ثار احمد فاروقی، دید و دریافت (دہلی: آرزو کتاب گھر، 1964ء)، ص ۲۳
- (۶) ثار احمد فاروقی، دید و دریافت، ص ۲۱۷
- (۷) مولانا ابوالکلام آزاد، مذکرہ (لاہور مکتبہ روایت، 1998ء)
- (۸) مولوی مہر الحق، چند ہم عصر (لاہور، علم و عرفان پبلشرز، 2011ء)، ص ۱۱
- (۹) ثار احمد فاروقی، دید و دریافت، ص ۲۳۲
- (۱۰) عابد علی عابد، سیر، اسلوب، (لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، 2001ء)، ص ۶
- (۱۱) عابد علی عابد، سیر، اسلوب، ص ۶
- (۱۲) مسعود حسین خاں، پروفیسر، شعرو زبان (حیدرآباد: شعبہ اردو و عثمانیہ یونیورسٹی پریس، 1966ء)، ص ۱۸۲
- (۱۳) مسعود حسین خاں، شعرو زبان، ص ۱۸
- (۱۴) نصیر احمد خان، پروفیسر، ادبی اسلوبیات (نئی دہلی: اردو بک پبلی کیشنز، 1993ء)، ص ۱۵

